© rasailojaraid.com

ترجمۂ قرآن پر رجحانات ومسالک کے اثرات

محمد رضی الاسلام ندوی

قرآن کریم اللہ تعالی کے احکام وہدایات جاننے کا سب سے مستند ذریعہ ہے۔ اس کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کے بندے اپنے معاملات ومسائل میں اس سے رہنمائی حاصل کریں اور اسے اپنا دستور العمل بنائیں۔ ساتھ ہی رسول کو بھی مبعوث کیا گیا اور اس پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ وہ اپنے قول اور عمل کے ذریعے قرآن کی تعلیمات اور اس کے احکام کی تشریح وتوضیح کرے۔ اس طرح مسلمانوں پر لازم قرار پایا کہ وہ احکام الٰہی کی نبوی تشریحات کو قبول کریں اور خود بھی آیات قرآنی میں غور وتدبر کرکے ان کے اسرار ورموز اور معانی ومفاہیم کو آشکارا کریں۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (النحل/۴۴)

اور ہم نے تم پر یہ ذکر نازل کیا ہے، تاکہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح وتوضیح کردو جو ان کے لیے اتاری گئی ہے اور تاکہ یہ لوگ (خود بھی) غور وفکر کریں۔

كِتَٰبٌ أَنزَلْنَٰهُ إِلَيْكَ مُبَٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوٓا۟ ءَايَٰتِهِۦ وَلِيَتَذَكَّرَ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ (ص/۲۹)

یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے، جو (اے نبی) ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے، تاکہ یہ لوگ اس کی آیات پر غور وفکر کریں اور عقل وفکر رکھنے والے اس سے سبق لیں۔

تفسیرِ قرآن کا آغاز

قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا ہے، جو اس کے اول مخاطبین کی مادری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زبان تھی۔اس لیے وہ عموماً اس کے معانی و مطالب کو سمجھتے تھے اور اگر کہیں اجمال یا کسی اور سبب سے دشواری محسوس کرتے تھے تو رسول اللہ ﷺ سے ۔جو ان کے درمیان موجود تھے۔دریافت کرلیا کرتے تھے۔ اسلامی فتوحات کا دائرہ بڑھا اور تمدن میں وسعت آئی تو صحابہ کرام نئے نئے مسائل سے دوچار ہوئے۔اس وقت ان کے احکام معلوم کرنے کے لیے انھوں نے خود بھی غور و تدبر سے کام لیا۔تابعین نے فہم قرآن میں ارشاداتِ نبوی اور آثار صحابہ دونوں سے فائدہ اٹھایا۔ اس وقت تک تفسیر نے ایک جداگانہ فن کی حیثیت اختیار نہیں کی تھی اور کتب حدیث میں ایک باب تفسیری روایات پر مشتمل ہوتا تھا۔لیکن اس کے بعد فن تفسیر کے خدوخال نمایاں ہونے لگے اور ایسی کتابیں تالیف کی جانے لگیں، جن میں ترتیبِ قرآن کے مطابق ہر آیت کی تفسیر کی جاتی تھی۔

تفسیر نگاری میں ذوق اور مزاج کی کارفرمائی

ابتدا میں تفسیر قرآن کی بنیاد منقول روایات پر رکھی گئی اور آیات کی تشریح و توضیح میں سند کے ساتھ یا بلا سند تفسیری اقوال پیش کیے گئے۔اسے تفسیر ماثور کا نام دیا گیا۔لیکن اس معاملے میں صحت کا التزام نہیں کیا گیا۔ چنانچہ کتابوں میں صحیح و سقیم ،غث و سمین، ہر طرح کی روایات در آئیں۔ بعد میں مختلف علوم و فنون کی نشو و نما ہوئی اور ان سے تفسیر قرآن میں مدد لی جانے لگی تو تفسیر کی ایک دوسری قسم کو فروغ ملا جسے تفسیر بالرأی کہا گیا۔مثال کے طور پر عربی لغت اور نحو و صرف سے متعلق علوم مدوّن ہوئے ،قدیم فلسفہ سے متعلق کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہوا، کلامی مسائل پیدا ہوئے ،فقہی مسالک ظہور پذیر ہوئے۔ان تمام چیزوں نے علم تفسیر پر اثر ڈالا ،چنانچہ اس دور میں لکھی جانے والی کتب تفسیر میں ان علوم اور مسائل کے واضح اثرات دکھائی دیتے ہیں اور ان میں ان کے مؤلفین کے ذوق اور مزاج کی رنگا رنگی صاف جھلکتی ہے۔مثال کے طور پر جو مفسرین علم نحو میں مہارت رکھتے تھے انھوں نے اپنی تفسیروں میں صرف اعراب اور ان کے وجوہ بیان کرنے پر پوری توجہ دی، جن حضرات کو عقلی علوم میں دست گاہ حاصل تھی انھوں نے اپنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تفسیروں کو حکماء و فلاسفہ کے اقوال سے بھر دیا، جو لوگ فقہ میں دل چسپی رکھتے تھے انھوں نے فقہی جزئیات اور ان کے دلائل اور ائمہ فقہ کے اختلافات نقل کرنے تک خود کو محدود رکھا، جو مؤرخانہ مزاج کے حامل تھے ان کی تفسیر صحیح وسقیم قصص وواقعات سے پُر ہوگئیں، غرض جو شخص جس فن یا مسلک سے دلچسپی رکھتا تھا اس نے قرآن کریم کو اس کے قالب میں ڈھالنے کی حتی المقدور کوشش کی۔ ایسے علماء بھی میدان میں آئے جنھوں نے علوم القرآن کے کسی ایک خاص گوشے کو اپنی تحقیق کی بنیاد بنایا، چنانچہ اقسام القرآن، مجاز القرآن، مفردات القرآن، امثال القرآن، بدائع القرآن، اعجاز القرآن، ناسخ ومنسوخ، اسباب نزول اور احکام القرآن جیسے موضوعات پر بہت سی کتابیں تالیف کی گئیں۔

رجحانات ومسالک پر مبنی تفسیریں

ذوق اور مزاج کی کارفرمائی کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ مختلف رجحانات اور مسالک پر مبنی تفسیریں وجود میں آئیں۔ یہ رجحانات فکری بھی تھے اور سیاسی بھی۔ مسلمانوں میں عقلیت پسندی کے فروغ اور فلسفہ سے ان کے تاثر کے نتیجے میں ان میں بہت سے فرقے و مذاہب پیدا ہوگئے۔ سیاسی اختلافات کی وجہ سے بھی گروہ بندیاں ہوئیں اور انتشار وتفرقہ کی خلیج بڑھتی چلی گئی۔ ان فرقوں میں معتزلہ، خوارج، شیعہ، باطنیہ، مرجئہ، جبریہ، قدریہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ متصوفین کا بھی ایک گروہ وجود میں آگیا، جس نے بہت سے عقائد وافکار اور باطنی تزکیہ کے لیے اوراد واشغال گھڑ لیے۔ ان تمام گروہوں نے اپنے افکار ومعتقدات اور رجحانات ومسالک کے لیے قرآن کریم سے دلیلیں حاصل کرنے کی کوشش کی، آیات قرآنی کو اپنے افکار کے سانچے میں ڈھال کر پیش کیا اور جو آیات ان سے ٹکراتی تھیں ان کی دوازکار تاویلات کیں۔ اس طرح تفسیر بالرأی المذموم پر مبنی وسیع تفسیری لٹریچر وجود میں آگیا۔ مشہور مؤرخِ تفسیر ڈاکٹر محمد حسین ذہبی نے اس صورتِ حال پر ان الفاظ میں تنقید کی ہے:

''اس میں شک نہیں کہ جب تفسیر قرآن کو ذاتی رجحانات ومیلانات یا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عقائدی وغیر عقائدی مسالک کا تابع بنادیا گیا تو اس چیز نے مسلمانوں کے سامنے شرِ عظیم کا باب وا کردیا، جس سے داخل ہوکر دشمنانِ اسلام مسلمانوں کے عقائد کو فاسد کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ مسلمان اہلِ بدعت کو اپنی بدعتیں رائج کرنے کا موقع ملا اور نام نہاد دانش وروں نے اپنے بوجھل تصورات اور مریضانہ ذہنیت کے ساتھ خوب موشگافیاں کیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے کتاب اللہ سے ایسے ایسے نکتے نکالے جن سے اس کا دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ اگر ان تمام لوگوں نے قرآن کریم میں غور وخوض کرتے وقت اپنے رجحانات اور خواہشات کو الگ تھلگ رکھا ہوتا اور ان ضوابط کی رعایت کی ہوتی، جن کی پابندی تفسیر قرآن کے لیے ضروری تھی، تو انحرافات پر مبنی یہ رجحانات وجود میں نہ آتے''[۱]۔

دیگر زبانوں میں قرآن کے تراجم اور تفاسیر کا آغاز

سطور بالا میں تاریخ تفسیر پر جو مختصر روشنی ڈالی گئی ہے اس کا تعلق عربی تفسیر نگاری سے ہے۔ اسلامی فتوحات کا سلسلہ دراز ہوا اور مسلمان دوسرے ملکوں اور علاقوں میں پہنچے جہاں کے باشندے دیگر زبانیں بولتے تھے، تو ضرورت محسوس ہوئی کہ انھیں قرآن کی تعلیمات سے روشناس کرانے کے لیے اسے ان زبانوں میں منتقل کیا جائے۔ چنانچہ ترجمہ قرآن کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں مختصر بحث کے بعد اس کے جواز پر اتفاق ہوگیا اور دنیا کی بہت سی زبانوں میں قرآن کے تراجم ہوئے اور تفسیریں لکھی گئیں۔ اس میدان میں نہ صرف مسلمان علماء اور دانش وروں نے اہم خدمات انجام دیں، بلکہ دیگر مذاہب کے ماننے والوں نے بھی دلچسپی لی، اگرچہ ان کے کاموں کے پس پردہ زیادہ تر مذموم مقاصد کارفرما تھے۔ اس کے نتیجے میں مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمہ، تفسیر اور علوم قرآنی کے مختلف موضوعات اور متعلقات قرآن پر اتنی کتابیں منظر عام پر آگئی ہیں اور اتنا کام ہوا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے، جتنا دنیا کی کسی کتاب پر نہیں ہوا۔ اس موضوع پر شائع ہونے والی کتابیات سے کاموں کی وسعت کا بہ خوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے[۲]۔

ترجمۂ قرآن کے اسالیب

مترجمین قرآن نے ترجمہ کے مختلف اسالیب کی نشان دہی کی ہے۔ یہاں دو (۲) اسالیب کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

(۱) لفظی ترجمہ: اس میں مترجم آیتِ قرآنی کی ترکیب اور ساخت کی بہت زیادہ پابندی کرتا ہے۔ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ قرآن کے ہر لفظ کی جگہ دوسری زبان کا لفظ استعمال کرے، خواہ اس سے ترسیل معانی میں کتنا ہی خلل کیوں نہ واقع ہو۔ اس کا یہ فائدہ تو ہوتا ہے کہ قاری کو معلوم ہو جاتا ہے کہ قرآن کے کس لفظ کا کیا ترجمہ ہے؟ لیکن ایسے ترجمہ میں عبارت کی روانی، زبان کی بلاغت اور کلام کی تاثیر کا فقدان ہوتا ہے۔

(۲) تشریحی ترجمہ: اس میں قرآن کے ہر لفظ کی جگہ دوسرا لفظ لانے کی پابندی نہیں کی جاتی، بلکہ اصل اہمیت مفہوم کو دی جاتی ہے۔ قرآن کی ایک یا ایک سے زائد آیات پڑھ کر اس کا جو مفہوم ذہن میں آتا ہے اسے مترجم دوسری زبان میں اپنے الفاظ میں ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس اسلوب ترجمہ میں چوں کہ اصل اہمیت ترسیل معانی کو دی جاتی ہے، اس لیے بسا اوقات ترجمہ میں قوسین کے ذریعے یا اس کے بغیر توضیحی عبارت شامل کر دی جاتی ہے۔

عام طور سے مترجمین قرآن نے مؤخر الذکر اسلوب ہی کو اختیار کیا ہے۔

صحیح ترجمہ کی بنیادی شرائط

اہل علم نے ترجمۂ قرآن کے لیے چند شرائط لازم قرار دی ہیں۔ ان میں سے کچھ شرائط کا تعلق عمل ترجمہ یا ترجمہ شدہ مواد سے ہے اور کچھ مترجم کی ذات سے تعلق رکھتی ہے۔ جو شرائط مترجم کی ذات سے متعلق ہیں ان میں سے دو (۲) کا تذکرہ ڈاکٹر محمد حسین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذھبی نے ان الفاظ میں کیا ہے:

''۱۔ مترجم جس زبان سے ترجمہ کر رہا ہے اور جس زبان میں کر رہا ہے، ضروری ہے کہ وہ دونوں کا بخوبی ماہر اور ان کے اسرار و رموز سے اچھی طرح واقف ہو۔ نیز اسے دونوں زبانوں کی وضع، اسلوب اور دلالت کا بھی اچھی طرح علم ہو۔

۲۔ مترجم کسی ایسے فاسد عقیدہ کی طرف ذرا بھی میلان نہ رکھتا ہو جو قرآنی تعلیمات سے ٹکراتا ہو۔ اس شرط کا مفسر میں بھی پایا جانا ضروری ہے۔ کیوں کہ مترجم یا مفسر کا میلان اگر کسی فاسد عقیدہ کی طرف ہوگا تو وہ عقیدہ اس کے فکر و نظر پر چھا جائے گا، چنانچہ وہ اپنی خواہش یا رجحان کے مطابق جو کچھ تفسیر یا ترجمہ کرے گا، اس میں قرآنی فکر سے بہت دور نکل جائے گا''۔[۳]

اردو تراجم قرآن پر رجحانات و مسالک کے اثرات

جس طرح مفسرین کے ذوق، مزاج اور رجحانات کا اثر ان کی تفسیروں پر پڑا ہے، اسی طرح ان چیزوں کے اثرات مختلف زبانوں میں کیے جانے والے تراجم قرآن پر بھی ظاہر ہوئے ہیں۔ یہ چیز فطری ہے۔ اس لیے کہ کوئی بھی انسان لاکھ کوشش کرے، مگر اپنے ذوق اور رجحان سے بالکلیہ الگ نہیں ہوسکتا۔ اردو تراجم قرآن کا جائزہ لیں تو ہمیں ان میں بھی ان چیزوں کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی نے اس کی نشان دہی درج ذیل الفاظ میں کی ہے:

''کوئی بھی عالم اپنے ذوق، مزاج اور رجحانات سے الگ نہیں ہوسکتا، ترجمۂ قرآن میں اگرچہ ان کا رنگ و آہنگ شامل ہونا ترجمۂ قرآن کے مقصد و منہاج سے مطابقت نہیں رکھتا اور اس سے گریز کرنا ہر مترجم کی اولین ذمہ داری ہے، مگر اس کو کیا کیجیے کہ اردو تراجم قرآن کے ذخیرہ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی تفسیر کی طرح مترجم کے ادبی ولسانی ذوق، فقہی ومسلکی رجحان اور کلامی رنگ کی اثرانگیزی دیکھنے کو مل جاتی ہے''۔

آئندہ سطور میں ترجمۂ قرآن پر چند اہم رجحانات کے اثرات کا مطالعہ پیش کیا جائے گا۔ اس کے لیے کچھ مشہور مترجمین قرآن کے تراجم پیش کرکے ان کا تقابل کیا جائے گا۔ اس سے جہاں ایک طرف بعض مترجمین کے رجحانات نمایاں ہوکر سامنے آجائیں گے وہیں بہتر ترجمہ کی بھی نشان دہی ہوسکے گی۔

جن مترجمین قرآن کے تراجم کو اس مطالعہ میں شامل کیا گیا ہے ان کے نام یہ ہیں:

شاہ عبدالقادر دہلوی	(متوفی ۱۸۱۵ء)
شاہ رفیع الدین دہلوی	(۱۸۱۸ء)
سرسید احمد خان	(۱۸۹۸ء)
ڈپٹی نذیر احمد	(۱۹۱۲ء)
مولانا وحید الزماں حیدرآبادی	(۱۹۱۹ء)
مولانا احمد رضا خان بریلوی	(۱۹۲۱ء)
مولانا محمد جوناگڑھی	(۱۹۴۱ء)
مولانا اشرف علی تھانوی	(۱۹۴۳ء)
مولانا ابوالکلام آزاد	(۱۹۵۸ء)
مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی	(۱۹۷۹ء)
مولانا پیر کرم شاہ ازہری	(۱۹۹۸ء)
مولانا امین احسن اصلاحی	(۱۹۹۹ء)
جناب عبداللہ چکڑالوی	(۱۹۳۰ء)
جناب غلام احمد پرویز	(۱۹۸۵ء)
مولانا سید علی نقی نقوی	(۱۹۸۸ء)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نیچری رجحان

نیچری رجحان کی نمائندہ تفسیر سرسید علیہ الرحمۃ کی 'تفسیر القرآن وھو الھدی والفرقان' ہے۔ اس تفسیر کا اہم ترین اور بنیادی اصول 'نیچر اور لا آف نیچر' ہے ۵۔ سرسید کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نظام کائنات کو چند اصول وضوابط کا پابند کیا ہے، جن میں کبھی تخلف نہیں ہوسکتا۔ اسے وہ ورک آف گاڈ (Work of God) سے تعبیر کرتے ہیں۔ دوسری طرف وہ قرآن کو ورڈ آف گاڈ (Word of God) کہتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ورک آف گارڈ اور ورڈ آف گاڈ میں اتحاد لازمی ہے، دونوں میں ٹکراؤ نہیں ہوسکتا ۶۔ اس بنا پر اگر قرآن کا کوئی ظاہری بیان کسی قانونِ قدرت کے خلاف معلوم ہو تو اس کی توجیہ کی جائے گی۔ اس معاملہ میں وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ توجیہ و تاویل میں عربی زبان وادب اور لغت کی کتابیں ساتھ دیں تو دیں، ساتھ نہ دیں تو بھی کوئی ایسی توجیہ کرنا ضروری ہے، جس سے ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ میں مطابقت ہوجائے ۷۔

سرسید کے نیچری رجحان کے اثرات ان کے ترجمۂ قرآن پر جا بجا نظر آتے ہیں۔ مثلاً ان کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بن باپ کے پیدا ہونا، ان کا پیدائش کے فوراً بعد بول پڑنا، مٹی سے ان کے بنائے ہوئے پرندوں کا زندہ ہو جانا وغیرہ قانونِ فطرت کے خلاف ہے، اس لیے وہ ممکن الوقوع بھی نہیں۔ ذیل میں ان کے اس رجحان کی صرف ایک مثال پیش کی جارہی ہے:

سورۃ بقرہ میں ہے:

وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا (البقرہ/۶۰)

عام مترجمین قرآن نے اس آیت کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اپنی قوم کے لیے حضرت موسیٰؑ کے پانی کی دعا کرنے پر اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ فلاں چٹان پر اپنا عصا مارو، چنانچہ ایسا کرتے ہی اس چٹان سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ لیکن سرسید کے نزدیک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی چٹان پر عصا مارنے سے وہاں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلنا 'لا آف نیچر' کے خلاف ہے، اس لیے وہ آیت میں موجود لفظ 'اِضْـــرِب' کی تاویل کرتے ہیں اور اس کا دوسرا مطلب بتاتے ہیں۔ انھوں نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے:

''(اور یاد کرو اس وقت کو) جب کہ موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی چاہا تو
ہم نے کہا کہ چل اپنی لاٹھی کے سہارے سے اس چٹان پر، اس سے
پھوٹ نکلے ہیں بارہ چشمے''

اس مضمون کی ایک آیت سورۂ اعراف میں ہے:

أَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى إِذِ اسْتَسْقَاهُ قَوْمُهُ أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْناً (آیت/۱۶۰)

اس کا ترجمہ انھوں نے سورۂ اعراف میں حسب سابق کیا ہے:

''اور ہم نے موسیٰ پر وحی کی، جب کہ اس کی قوم نے پانی مانگا کہ چل
اپنی لاٹھی کے سہارے اس چٹان پر۔ اس سے بہتے ہیں............''

لیکن ایک دوسری جگہ سورۂ اعراف کی اس آیت کا ترجمہ دیگر مترجمین کے موافق کر کے قوسین میں اپنا ترجمہ درج کیا ہے:

''اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کو، جب کہ اس سے اس کی قوم نے پانی مانگا
یہ کہ مار اپنے عصا سے پتھر کو (یعنی چل اپنے عصا کے سہارے سے اس
پہاڑی پر) پھر پھوٹ بہے ہیں اس پہاڑی سے چشمے'' ۸

یہی توجیہ انھوں نے ان آیات کی بھی کی ہے جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سمندر عبور کرنے کا تذکرہ ہے:

فَأَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ (الشعراء/۶۳)

اس آیت کا ترجمہ انھوں نے یہ کیا ہے:

''چل اپنی لاٹھی کے سہارے سے سمندر میں کہ پھٹا ہوا ہے۔ پھر تھا ہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک ٹکڑہ پہاڑ کی مانند''۹۔

وہ علمائے اسلام پر نقد کرتے ہیں کہ انھوں نے ''یہودیوں کی پیروی'' میں قرآنی آیات میں ''خواہ مخواہ کھینچ تان کرکے'' اسے ایک معجزہ بنادیا ہے، جو خلافِ قانونِ قدرت واقع ہوا تھا، حالاں کہ یہ واقعہ قانونِ قدرت کے مطابق ہی واقع ہوا تھا۱۰۔

عقلی رجحان

نیچری رجحان کا تسلسل ہی ہے جسے ہم عقلی رجحان سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ باقاعدہ ایک مکتبِ فکر ایسا وجود میں آیا جس نے قرآنی بیانات کو اپنی عقل کی کسوٹی پر جانچنا شروع کردیا اور جو باتیں اسے اپنی دانست میں عقل عام کے خلاف معلوم ہوئیں ان کی تاویل کرکے اپنے عقلی چوکھٹے میں فٹ کرنے کی کوشش کی۔ ان لوگوں نے بہ ظاہر تفسیر القرآن بالقرآن کا نعرہ لگایا اور اعلان کیا کہ قرآن کی تفسیر کے لیے صرف قرآن کافی ہے، دوسری کسی چیز کی ضرورت نہیں، حتّٰی کہ حدیث کی بھی نہیں۔ اس طرح انھیں کھلی چھوٹ مل گئی کہ جس لفظ کے جو معنیٰ چاہیں بیان کردیں اور جس آیت کا جو مفہوم چاہیں متعین کردیں۱۱۔ اس رجحان کی ابتدا یوں تو سرسید ہی سے ہوگئی تھی، لیکن بعد میں 'اہلِ قرآن' کے نام سے جو گروہ وجود میں آیا اس نے اس کو خوب فروغ دیا۔ اس کے نمایاں افراد میں جناب عبداللہ چکڑالوی اور جناب غلام احمد پرویز کا نام لیا جاسکتا ہے۔

ذیل کی چند مثالوں سے اس رجحان کی وضاحت ہوسکے گی:

۱۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:

قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَن يَأْتُواْ بِمِثْلِ هَـذَا الْقُرْآنِ لاَ يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ (آیت/۸۸)

تمام مترجمینِ قرآن کے نزدیک 'انس' اور 'جن' قرآن کی دو اصطلاحات ہیں۔ ان سے مراد دو الگ الگ مخلوقات ہیں۔ لیکن سرسید نے انھیں انسانوں ہی کی دو قسمیں قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک 'انس' سے مراد شہروں میں رہنے والے لوگ اور 'جن' سے مراد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیہاتوں میں رہنے والے لوگ ہیں۔ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''کہہ دے اے پیغمبر! اگر جمع ہو جاویں انس (یعنی شہروں کے رہنے والے) اور جن (یعنی بدو، جو خالص عربی زبان جاننے والے تھے) اس بات پر کہ کوئی چیز اس قرآن کی مانند لا دیں تو اس کی مانند نہ لا سکیں گے۔''

۲۔ سورۂ بقرہ میں ہے:

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ (آیت/۱۷۳)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے چند چیزوں کا تذکرہ کیا ہے، جن کا کھانا حرام ہے۔ان میں سے ایک 'لحم الخنزیر' ہے۔یہ مضمون قرآن کریم کے دوسرے مقامات [المائدۃ/۳، الانعام/۱۴۵، النحل/۱۱۵] پر بھی مذکور ہے۔تمام مترجمین 'لحم الخنزیر' سے 'سور کا گوشت' مراد لیتے ہیں، لیکن جناب عبداللہ چکڑالوی اس کا ترجمہ 'غدود کا گوشت' سے کرتے ہیں:

''سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں کہ تمھارے لیے حلال جانوروں کا مردہ، خون، غدود کا گوشت اور وہ جانور یا گوشت جو غیر اللہ کی طرف منسوب کیا جائے، حرام کیا گیا ہے۔''

پھر اس کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''لحم خنزیر کا معنیٰ کیا گیا ہے 'غدود کا گوشت'، حالاں کہ تمام مترجمین نے اس کا معنیٰ 'سور کا گوشت' لیا ہے۔ پہلے نمبر پر سور کا گوشت مراد لینا اس لیے غلط ہے کہ آیت مجیدہ میں 'انّما' کے حصر کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ مردہ، خون، لحم خنزیر اور غیر اللہ کی طرف منسوب حرام ہیں۔اس حصر کو قائم رکھتے ہوئے جانوروں میں سے صرف سور ہی حرام ٹھہرتا ہے اور باقی سب جانور کتا، بلا، بجّو، ریچھ وغیرہ حلال ٹھہرتے ہیں اور قرآن مجید میں نقیض پیدا ہوتی ہے۔''[۱۲]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غور کرنے کا مقام ہے کہ کیا کتے، بلّے، بجّو اور ریچھ کی حرمت کا تذکرہ صراحت سے قرآن میں ہے، کہ 'انما' کے حصر کی وجہ سے قرآن کے دو بیانات میں تضاد دکھا کر سور کے گوشت کو اس سے خارج کیا جا رہا ہے؟ یہ جدّت طرازی صرف اس لیے ہے کہ سور کا گوشت حلال قرار دے دیا جائے اور یہ دکھا دیا جائے کہ اس کی حرمت قرآن میں منصوص نہیں ہے۔

۳۔ سورۂ النمل کی آیت ہے:

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُودَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنطِقَ الطَّيْرِ (آیت/۱۶)

اس آیت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو حاصل ایک خاص وصف کا تذکرہ ہے کہ وہ پرندوں کی بولی سمجھ لیتے تھے۔ تمام مترجمین قرآن نے اس کا یہی ترجمہ کیا ہے، لیکن جناب غلام احمد پرویز کو اس سے اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک اس آیت میں 'طیر' نامی ایک مخصوص قبیلے کا تذکرہ کیا گیا ہے اور آیت میں اس قبیلے کے گھوڑے مراد لیے گیے ہیں۔ انھوں نے آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے:

''لوگو! ہمیں منطق الطیر سکھایا گیا ہے۔''

پھر اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''منطق الطیر کے معنیٰ پرندوں کی بولی نہیں۔ طیر سے مراد گھوڑوں کا لشکر ہے (جو حضرت داوٗد اور سلیمان کے زمانے میں بیش تر قبیلہ طیر کے افراد پر مشتمل تھا) اور منطق کے معنیٰ اس قبیلہ کے قواعد و ضوابط ہیں۔ لہٰذا اس کا مطلب ہے: ''گھوڑوں کے رسالہ کے متعلق علم''۔ یہ اس زمانہ میں بہت بڑی چیز تھی'' [۱۳]۔

شیعی رجحان

شیعہ کا آغاز اگرچہ ایک سیاسی گروہ کی حیثیت سے ہوا تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ انھوں نے ایک مستقل مکتبِ فکر کی شکل اختیار کر لی اور عقائد، عبادات اور معاشرت کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متعدد معاملات میں اہلِ سنت سے ان کے اختلافات نمایاں ہوتے گئے اور بعض مخصوص نقطہ ہائے نظر ان کی پہچان بن گئے۔ ان کی صحت و صداقت ثابت کرنے کے لیے انھوں نے قرآن مجید کا سہارا لیا اور بات آیاتِ قرآنی کی تشریح و تفسیر تک محدود نہ رہی، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ترجمۂ قرآن پر بھی ان کے رجحانات کا عکس پڑنے لگا۔ درج مثال سے اس کی بہ خوبی وضاحت ہو جاتی ہے۔

سورۂ نساء کی آیت ہے:

وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً (آیت نمبر ۲۴)

اس آیت میں اور اس سے پہلے کی آیت (نمبر ۲۳) میں ان خواتین کا تذکرہ ہے، جن سے نکاح حرام ہے۔ ان کا تذکرہ کرنے کے بعد کہا گیا ہے کہ ان کے علاوہ دیگر عورتوں سے جنسی تعلق تمھارے لیے حلال ہے، بشرطے کہ ان سے باقاعدہ نکاح کر لو، آزادانہ شہوت رانی نہ کرتے پھرو۔ اس آیت کے ٹکڑے فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً کا ترجمہ مترجمین نے یہ کیا ہے:

عبدالقادر: پھر جو کام میں لائے تم ان عورتوں میں سے ان کو دو ان کے حق جو مقرر ہوئے۔

شاہ رفیع الدین: پس جو مال کہ فائدہ اٹھایا ہے تم نے بدلے اس کے ان میں سے پس دو ان کو جو مقرر کیا ہے واسطے ان کے موافق مقرر کے۔

سر سید احمد خان: پھر جو عورت کہ تم نے اس سے فائدہ اٹھایا عورتوں میں سے تو دو ان کو ان کی مقرر کی ہوئی اجرت (یعنی مہر)۔

مولانا وحید الزماں: پھر جن عورتوں سے تم مزا اٹھاؤ (یعنی صحبت کرو) ان کا حق جو ٹھہرا تھا وہ ان کو دے دو۔

مولانا احمد رضا خان: تو جن عورتوں کو نکاح میں لانا چاہو ان کے بندھے ہوئے مہر انھیں دے دو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا محمد جونا گڑھی: اس لیے جن سے تم فائدہ اٹھاؤ انھیں ان کا مقرر کیا ہوا مہر دے دو۔

مولانا اشرف علی تھانوی: تو جن عورتوں سے تم فائدہ حاصل کرو ان کا مہر جو مقرر کیا ہوا ادا کر دو۔

مولانا ابوالکلام آزاد: پھر جن عورتوں سے تم نے (ازدواجی زندگی کا) فائدہ اٹھایا ہے تو چاہیے کہ جو مہر ان کا مقرر ہوا تھا وہ ان کے حوالے کر دو۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی: پھر جو ازدواجی زندگی کا لطف تم ان سے اٹھاؤ اس کے بدلے ان کے مہر بطور فرض کے ادا کرو۔

مولانا پیر کرم شاہ ازہری: پس جو لطف تم نے اٹھایا ہے ان سے تو دو ان کو ان کے مہر جو مقرر ہیں۔

مولانا امین احسن اصلاحی: پس ان میں سے جن سے تم نے تمتع کیا ہو تو ان کو ان کے مہر دو فریضہ کی حیثیت سے۔

ان تراجم سے واضح ہے کہ آیت کے اس ٹکڑے میں کوئی نئی بات نہیں کہی گئی ہے، بلکہ سابقہ مضمون ہی کو مؤکد کر کے منکوحہ عورتوں کو مہر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ تراجم اہلِ سنت کے ہیں۔ لیکن شیعی مفسر مولانا سید نقی نقوی نے اس ٹکڑے کا یہ ترجمہ کیا ہے:

"تو ان میں سے جس کے ساتھ تم متعہ کرو تو ان کی اجرتیں جو مقرر ہوں ادا کر دو۔"

متعہ شیعہ کا ایک مخصوص تصور ہے۔ اس میں ایک متعین مدت کے لیے نکاح کیا جاتا ہے۔ اہلِ سنت کے نزدیک متعہ ابتدائے اسلام میں جائز تھا، لیکن بعد میں اس کو ہمیشہ کے لیے حرام قرار دے دیا گیا۔ شیعہ کہتے ہیں کہ متعہ اب بھی جائز ہے۔ مولانا نقوی کا ترجمہ شیعی نقطۂ نظر کا غمّاز ہے۔ انھوں نے اس کی تشریح میں لکھا ہے:

"باضابطہ ازدواجی تعلق کی ایک صورت تو عقدِ دائمی کی ہے۔ وہ سب ہی کو معلوم ہے۔ دوسری صورت متعہ کی ہے۔ یعنی ایک مقرر مدت تک کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے ازدواج کا معاہدہ، جس کے مہر کو اصطلاحاً 'اجرت' کہتے ہیں۔ اس کا ذکر اس طرح ہوا کہ فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً۔ اہلِ سنت، جو متعہ کے قائل نہیں ہیں، وہ استمتاع کو لذت حاصل کرنے کے معنیٰ میں لیتے ہیں اور اسے نکاح دائمی ہی سے متعلق کرتے ہیں، مگر یہ ظاہرِ قرآن نیز سنت کے خلاف ہے، جس کی تفصیل سیر حاصل طور پر ہماری کتاب 'متعہ اور اسلام' میں دیکھی جا سکتی ہے۔''۱۴

یہاں اس بحث کا موقع نہیں ہے کہ کیا مولانا نقوی کا ترجمہ صحیح اور ظاہرِ قرآن اور سنت کے مطابق اور اہلِ سنت کا ترجمہ غلط اور ظاہرِ قرآن اور سنت کے خلاف ہے۔ صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ کس طرح ایک رجحان ترجمۂ قرآن پر اثر انداز ہوتا ہے۔

کلامی رجحان

مسلمانوں کے درمیان فکر و نظر کے بہت سے اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ان کے علماء کلامی مسائل میں الگ الگ نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ بسا اوقات نقطہ ہائے نظر کا یہ اختلاف ترجمۂ قرآن پر بھی اثر انداز ہوتا ہے اور الفاظ میں معمولی الٹ پھیر یا اضافہ کر کے آیات سے ایسے معانی مستنبط کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، جن سے کسی مخصوص مسلک یا نقطہ نظر کی تائید ہو سکے۔

مثال کے طور پر علم غیب کے سلسلے میں تمام علمائے اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ کسی انسان کو غیب کے صرف اتنے حصے کا علم ہو سکتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ اسے دینا چاہے۔ البتہ آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی غیب کا جزئی علم حاصل تھا، یا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو غیب کے کلی علم سے بہرہ ور کیا تھا؟ یہ مسئلہ ان کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائے آفرینش سے قیامت تک کا تمام علم عطا کر دیا تھا۔ آپ ﷺ کا یہ علم غیب اگرچہ ذاتی نہیں، بلکہ عطائی تھا، لیکن آپ 'ما کان وما یکون' کے تمام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احوال سے باخبر تھے۔ ان کے ترجمۂ قرآن میں متعدد مقامات پر ان کے اس نقطہ نظر کی چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ یہاں چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

ا۔ سورۂ الانعام میں ہے:

قُلْ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ (آیت ۵۰)

اس آیت کے ٹکڑے وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ کا ترجمہ مترجمین نے یہ کیا ہے:

شاہ عبدالقادر	:	نہ میں جانوں غیب کی بات۔
شاہ رفیع الدین	:	اور نہ میں جانتا ہوں غیب کو۔
سرسید احمد خاں	:	اور نہ یہ کہ میں غیب کی بات جانتا ہوں۔
مولانا وحید الزماں	:	اور (یہ بھی) کہہ دے میں غیب نہیں جانتا۔
مولانا محمد جونا گڑھی	:	اور نہ میں غیب جانتا ہوں
مولانا اشرف علی تھانوی	:	اور نہ (یہ کہ) میں غیب جانتا ہوں۔
مولانا ابوالکلام آزاد	:	نہ یہ کہتا ہوں کہ غیب کا جاننے والا ہوں۔
مولانا ابوالاعلیٰ مودودی	:	نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں۔
مولانا امین احسن اصلاحی	:	اور نہ میں غیب جانتا۔

جب کہ مولانا احمد رضا خان نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے:

''اور نہ میں کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں۔''

لفظ 'آپ' کے اضافے سے انھوں نے یہ معنی پیدا کر دیے کہ اس آیت میں انکار ذاتی غیب دانی کا ہے، عطائی غیب دانی کا نہیں۔ چنانچہ مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی نے۔ جن کی تفسیر اس ترجمۂ قرآن کے حاشیہ پر شائع ہوئی ہے۔ اس نکتہ کو کھول دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''ارشاد ہوا کہ آپ فرما دیجیے کہ میرا دعوی یہ تو نہیں ہے کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں .... نہ میرا دعوی ذاتی غیب دانی کا ہے کہ اگر میں تمھیں گزشتہ یا آئندہ کی خبریں نہ بتاؤں تو میری نبوت ماننے میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عذر کرسکو............اس سے واضح ہوگیا کہ اس آیت کریمہ کو سید عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غیب پر مطلع کیے جانے کی نفی کے لیے سند بنانا ایسا ہی بے محل ہے، جیسا کفار کا ان سوالات کو انکار نبوت کی دستاویز بنانا بے محل تھا۔ علاوہ بریں اس آیت سے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم عطائی کی نفی کسی طرح مراد نہیں ہوسکتی'' ۱۵۔

اسی طرح مولانا پیر کرم شاہ ازہری نے اس ٹکڑے کا ترجمہ یہ کیا ہے:

''اور نہ یہ کہوں کہ خود جان لیتا ہوں غیب کو۔''

اس طرح انھوں نے بھی لفظ 'خود' کے اضافے سے عطائی غیب دانی کا اثبات کرنا چاہا ہے۔ اس کی تشریح اپنی تفسیر میں یوں کی ہے:

''(یعنی) میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سارے خزانے میرے قبضہ میں ہوں، خود بخود جیسے چاہوں ان میں تصرف کروں، یا مجھے غیب کا خود بخود علم ہو جاتا ہے اور بغیر اللہ کے بتلائے اور سکھلائے میں ہر غیب کو جانتا ہوں۔ میرا یہ دعویٰ نہیں'' ۱۶۔

۲۔ لفظ 'نبی' قرآن کریم کی اصطلاحات میں سے ہے۔ اس کی جمع نبیون/ نبیین اور انبیاء دونوں آئی ہے۔ عام طور سے مترجمینِ قرآن نے یا تو اس اصطلاح کا ترجمہ نہیں کیا ہے، یا اگر کیا ہے تو اس کے لیے اردو میں 'پیغمبر' کا لفظ لائے ہیں۔ مولانا احمد رضا خان نے اپنے ترجمۂ قرآن میں تقریباً ۲۷/ مقامات پر اس کا ترجمہ 'غیب بتانے والے'، 'غیب کی خبریں بتانے والے' یا 'غیب کی خبریں دینے والے' جیسے الفاظ سے کیا ہے۔ صرف دو ایک جگہ اس کے بعد قوسین میں لفظ 'نبی' لکھ دیا ہے ۱۷۔ حالاں کہ خود مولانا نے بھی دیگر بہت سے مقامات پر 'نبی' اور 'انبیاء' کے الفاظ کا کوئی ترجمہ نہیں کیا ہے اور بعض مقامات پر ان کے لیے لفظ 'پیغمبر' لائے ہیں ۱۸۔

۳۔ سورۂ رحمٰن کی ابتدائی آیات یہ ہیں:

الرَّحْمٰنُ ، عَلَّمَ الْقُرْآنَ ،خَلَقَ الْاِنْسَانَ ،عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (آیات ۱-۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان آیات کا ترجمہ مترجمین نے یہ کیا ہے:

شاہ عبدالقادر: رحمٰن نے سکھایا قرآن، بنایا آدمی، پھر سکھائے اس کو بات۔

شاہ رفیع الدین: رحمٰن نے سکھایا قرآن، پیدا کیا آدمی کو، سکھایا اس کو بولنا۔

مولانا وحید الزماں: بڑے رحم والے (خدا) نے قرآن (اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو) سکھایا، اسی نے آدم کو پیدا کیا، اس کو بولنا (بات کرنا) سکھایا۔

مولانا محمد جوناگڑھی: رحمٰن نے قرآن سکھایا، اس نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا۔

مولانا اشرف علی تھانوی: (خدا جو) نہایت مہربان، اس نے قرآن کی تعلیم فرمائی، اسی نے انسان کو پیدا کیا، اسی نے اس کو بولنا سکھایا۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی: نہایت مہربان (خدا) نے اس قرآن کی تعلیم دی ہے۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا۔

مولانا امین احسن اصلاحی: خدائے رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی، اس نے انسان کو پیدا کیا، اس کو گویائی سکھائی۔

مولانا پیر کرم شاہ ازہری: رحمٰن نے (اپنے حبیب کو) سکھایا ہے قرآن، پیدا فرمایا انسان (کامل) کو، (نیز) اسے قرآن کا بیان سکھایا۔

مولانا احمد رضا خاں: رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا، انسانیت کی جان محمد ﷺ کو پیدا کیا، ماکان وما یکون کا بیان انھیں سکھایا۔

ان تراجم سے واضح ہے کہ یہاں لفظ 'الانسان' سے بعض مترجمین نے نوعِ انسان کو مراد لیا ہے، بعض نے حضرت آدم کو اور بعض نے حضرت محمد ﷺ کو، لیکن صرف مولانا احمد رضا خان ہیں، جنھوں نے لفظ 'البیان' کی تشریح میں 'ما کان وما یکون' کا اضافہ کر کے حضرت محمد ﷺ کو کلّی غیب داں بنا دیا ہے۔

ادبی رجحان

قرآن کریم ادب و بلاغت کا شاہ کار ہے۔ اس کے ترجمہ میں ادبی پہلو کو پیش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظر رکھنا معیوب نہیں، بلکہ پسندیدہ ہے۔ آیات قرآنی کے بامحاورہ ترجمہ کو اہل علم نے مستحسن قرار دیا ہے، اس لیے کہ اس سے نہ صرف قرآن کے معانی بہتر طریقے سے قاری تک منتقل ہوتے ہیں، بلکہ اس کے ساتھ زورِ بیان اور تاثیرِ کلام کی ترسیل بھی ہوتی ہے، لیکن بسا اوقات اس معاملے میں افراط سے حسن کے بجائے قبح پیدا ہو جاتا ہے، ترجمۂ قرآن میں غیر سنجیدگی اور ابتذال نمایاں ہو جاتا ہے اور ترجمہ کی صحت بھی متاثر ہوتی ہے۔

ذیل میں اس سلسلے کی دو مثالیں پیش کی جا رہی ہیں:

۱- سورۂ بقرہ کی آیت ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (آیت ۱۸۷)

اس آیت کا ترجمہ مترجمین نے یہ کیا ہے:

شاہ عبدالقادر: وہ پوشاک ہیں تمھاری اور تم پوشاک ہو ان کی۔

شاہ رفیع الدین: وہ پردہ ہیں واسطے تمھارے اور تم پردہ ہو واسطے ان کے۔

سر سید احمد خاں: وہ زیبائش ہیں تمھارے لیے اور تم زیبائش ہو ان کے لیے۔

مولانا وحید الزماں: وہ تمھارا جوڑا ہیں اور تم ان کے جوڑ ہو۔

مولانا احمد رضا خاں: وہ تمھاری لباس ہیں اور تم ان کے لباس۔

مولانا محمد جونا گڑھی: وہ تمھارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو۔

مولانا اشرف علی تھانوی: وہ تمھاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی: وہ تمھارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔

مولانا پیر کرم شاہ ازہری: وہ تمھارے لیے پردہ، زینت و آرام ہیں اور تم ان کے لیے پردہ، زینت و آرام ہو۔

مولانا امین احسن اصلاحی: وہ تمھارے لیے بمنزلۂ لباس ہیں اور تم ان کے لیے بمنزلۂ لباس ہو۔

جب کہ ڈپٹی نذیر احمد اور مولانا ابوالکلام آزاد کے تراجم ملاحظہ ہوں:

ڈپٹی نذیر احمد: وہ تمھارے دامن (کی جگہ) ہیں اور تم ان کی چولی (کی جگہ) ہو"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا ابوالکلام آزاد: تم میں اور ان میں چولی دامن کا ساتھ ہے (یعنی ان کی زندگی تم سے وابستہ ہے، تمھاری ان سے)''۔

ڈپٹی صاحب نے حاشیہ میں اپنے ترجمہ کا یہ جواز پیش کیا ہے:

''ایک چیز ایک چیز کو ایسی لازم ہو کہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہو سکیں تو کپڑے کے ضلع میں اس لزوم کو ہمارے یہاں یوں تعبیر کرتے ہیں کہ دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس محاورہ کے لحاظ سے لباس کا ترجمہ چولی دامن کا ساتھ کیا گیا ہے''۱۹۔

ان تراجم سے واضح ہے کہ مترجمین نے قرآنی لفظ 'لباس' کا ترجمہ اگر چہ پردہ، جوڑا، زیبائش، زینت و آرام اور پوشاک کے الفاظ سے کیا ہے، لیکن بہتر ہے کہ اس لفظ کا ترجمہ نہ کیا جائے، کہ اردو میں بھی لفظ لباس اسی معنیٰ میں مستعمل ہے جس میں عربی میں استعمال ہوتا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد معروف ادیب اور ناول نگار تھے، انھوں نے اپنی تحریروں سے اردو ادب کو مالا مال کیا ہے۔ دہلی کی ٹکسالی زبان اور محاوروں پر انھیں زبردست قدرت حاصل تھی، چنانچہ قرآن کے ترجمہ میں بھی انھوں نے اپنے اس ذوق کا خوب خوب استعمال کیا ہے، لیکن محاوروں کے بے جا استعمال سے کہیں کہیں ترجمہ کی متانت قائم نہیں رہ سکی ہے۔ درج بالا آیت کا ترجمہ اس کی ایک مثال ہے۔ یہی حال مولانا آزاد کا بھی ہے۔ اپنی ادبی حس کی وجہ سے انھوں نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے۔

ڈپٹی صاحب کے ترجمہ پر ڈاکٹر محمود حسن الہ آبادی نے بہت برمحل نقد کیا ہے:

''واضح ہو کہ قرآنی تمثیلات علیٰ وجہ الاشباہ ہوتی ہے، ان میں صرف ایک وجہِ شبہ نہیں ہوا کرتی۔ قرآن کے الفاظ کا لفظی ترجمہ ہوتا ہے: ''وہ (عورتیں) تمہارے لیے لباس ہیں اور تم (مرد) ان کے لیے لباس ہو'' لباس اور جسم کا چولی دامن ہی کا ساتھ نہیں ہوتا بلکہ لباس ساتر بھی ہوتا ہے، عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے، راحت پہنچاتا ہے اور زینت بھی دیتا ہے، اس کے علاوہ اور بھی فوائد ہو سکتے ہیں۔ لیکن ڈپٹی صاحب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے شوقِ محاورہ آرائی نے معنی کی اس وسعت کو ختم کر دیا ہے۔
مزید برآں محاورہ کی تقطیع اور مردوں کو چولی سے اٹکا دینے کی وجہ سے طرز بیان میں ابتذال پیدا ہو گیا ہے۔ ڈپٹی صاحب کے شوق محاورہ نے بہت سے مواقع پر عبارت کی لطافت کو ابتذال کی کثافت سے آلودہ کیا ہے''۔[۲۰]

۲- سورۂ یوسف کی آیت ہے:

اِنَّاذَهَبۡنَا نَسۡتَبِقُ وَتَرَكۡنَا يُوسُفَ عِنۡدَ مَتَاعِنَا (آیت ۱۷)

اس آیت کا ترجمہ مترجمین نے یہ کیا ہے:

شاہ عبدالقادر: ہم لگے دوڑنے آگے نکلنے کو اور چھوڑا یوسف کو اپنے اسباب پاس۔

شاہ رفیع الدین: تحقیق گئے تھے ہم دوڑتے ہوئے اور چھوڑ گئے تھے ہم یوسف کو نزدیک اسباب اپنے کے۔

سرسید احمد خاں: بے شک ہم کرنے لگے ایک دوسرے سے دوڑ میں بڑھ جانا اور ہم نے چھوڑا یوسف کو اپنے اسباب کے پاس۔

مولانا وحید الزماں: ہم (شرط کے طور پر) دوڑنے لگے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا۔

احمد رضا خاں: ہم دوڑ کرتے نکل گئے اور یوسف کو اپنے اسباب کے پاس چھوڑا۔

مولانا محمد جونا گڑھی: ہم تو آپس میں دوڑ میں لگ گئے اور یوسف (علیہ السلام) کو ہم نے اسباب کے پاس چھوڑا۔

مولانا اشرف علی تھانوی: ہم تو دوڑنے اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے میں مصروف ہو گئے اور یوسف کو اپنے اسباب کے پاس چھوڑ گئے۔

مولانا ابوالکلام آزاد: ہم ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کے لیے دوڑ میں لگ گئے تھے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی: ہم دوڑ کا مقابلہ کرنے میں لگ گئے تھے اور یوسف کو ہم نے اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا۔

مولانا پیر کرم شاہ ازہری: ہم ذرا گئے کہ دوڑ لگائیں اور ہم چھوڑ گئے یوسف کو اپنے سامان کے پاس۔

مولانا امین احسن اصلاحی: ہم ایک دوسرے سے دوڑ میں مقابلہ کرتے ہوئے دور نکل گئے اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑا۔

جب کہ ڈپٹی نذیر احمد نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

''ہم تو جا کر ایک طرح کی کبڈی کھیلنے لگے اور یوسف کو ہم نے اسباب کے پاس چھوڑ دیا''

قرآنی لفظ 'نَسۡتَبِقُ' میں دوڑنے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کا مفہوم پایا جاتا ہے، جب کہ کبڈی ایک ہی جگہ رہ کر کھیلی جاتی ہے۔ حضرت یوسفؑ کے بھائی کہنا بھی یہی چاہ رہے تھے کہ ہم دوڑ کے مقابلے میں دور نکل گئے اور یوسف سے غافل ہوگئے، جس کی بنا پر بھیڑیے نے یوسف کو اکیلا پا کر پھاڑ کھایا۔ اگر وہ یوسفؑ کے قریب ہی کبڈی کھیل رہے ہوتے تو بھیڑیا انھیں نقصان نہ پہنچا سکتا تھا۔ اس بنا پر ڈپٹی صاحب کے ترجمہ پر ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی کا یہ نقد مناسب معلوم ہوتا ہے:

''کبڈی ایک ہندوستانی کھیل ہے، جس کو نَسۡتَبِقُ کے ترجمہ کے بہ طور دیا گیا، جب کہ اس کا ترجمہ دوڑ میں مسابقت ہے۔ دوڑ میں آدمی دور نکل جاتا ہے، جب کہ کبڈی ایک ہی دائرہ میں ہوتی ہے'' [۲۱]

سائنسی رجحان

سائنسی ترقیات کے نتیجے میں ایک رجحان یہ ابھرا کہ قرآنی بیانات کی سائنس سے مطابقت ثابت کی جائے اور یہ دکھایا جائے کہ نئی ایجادات واکتشافات کے نتیجے میں انسانی علم جہاں تک پہنچا ہے اور جو دریافتیں ہوئی ہیں ان کا انکشاف تو قرآن چودہ سو سال پہلے کر چکا ہے۔ اس فکر پر مبنی سینکڑوں کتابیں دنیا کی مختلف زبانوں میں شائع ہو چکی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عربی زبان میں ایک سائنسی تفسیر بھی موجود ہے، جس کا نام الجواهر فی تفسیر القرآن ہے اوراس کے مؤلف مصری دانش ور جوہری طنطاوی ہیں۔ اردو زبان میں بھی قرآنی آیات کا ترجمہ کرتے وقت کہیں کہیں اس رجحان کی جھلک دکھائی دے جاتی ہے۔

سورۂ الانعام میں ہے:

وَهُوَ الَّذِی اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَابِه نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَامِنْهُ خَضِرًا نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُتَرَاكِبًا (آیت نمبر۹۹)

اس آیت کے ٹکڑے فَاَخْرَجْنَامِنْهُ خَضِرًا کا ترجمہ مترجمین نے یہ کیا ہے:

شاہ عبدالقادر: پھر اس میں سے نکالا سبزہ۔

شاہ رفیع الدین: پس نکالا ہم نے اس سے سبزہ۔

سرسید احمد خاں: پھر ہم نے اس سے نکالے ہرے (پودے)۔

مولانا وحیدالزماں: پھر اس میں ہری ہری کونپلیں (شاخیں) نکالیں۔

مولانا احمد رضا خاں: تو ہم نے اس سے نکالی سبزی۔

مولانا محمد جونا گڑھی: پھر ہم نے اس سے سبز شاخ نکالی۔

مولانا اشرف علی تھانوی: پھر اس میں سے سبز سبز کونپلیں نکالتے ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد: پھر روئیدگی سے ہری ہری ٹہنیاں نکل آتی ہیں۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی: پھر اس سے ہرے ہرے کھیت اور درخت پیدا کیے۔

مولانا پیر کرم شاہ ازہری: پھر ہم نے نکال لیں اس سے ہری ہری بالیں۔

مولانا امین احسن اصلاحی: پھر ہم نے اس سے سرسبز شاخیں ابھاریں۔

ان تراجم سے واضح ہے کہ مترجمین نے لفظ 'خَضِرًا' کا ترجمہ سبزہ، سبزی، سبز شاخ/شاخیں، سرسبز کونپلیں، ہری کونپلیں، ہری ڈالیاں، ہری بالیں، ہرے پودے، ہرے کھیت اور درخت، جیسے الفاظ سے کیا ہے۔ لیکن مولانا محمد شہاب الدین ندوی (م۲۰۰۲ء)، جنھوں نے قرآن اور سائنس کے موضوع پر خاصا کام کیا ہے اور قرآن کے سائنسی اعجاز کو خوب نمایاں کیا ہے، انھوں نے اس آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''پھر ہم نے اس پانی کے ذریعے ہر قسم کے نباتات اگا دیے، پھر ان ہی نباتات سے ہم نے ایک سبز چیز (کلوروفل) نکالی (اور) اس سبز چیز سے ہم (ہر قسم کے غلوں کی) تہہ بہ تہہ بالیاں نکالتے ہیں'' ۲۲۔

ان کا کہنا ہے کہ لفظ 'خَضِرًا' سے مراد کلوروفل (Chlorophyl) ہے۔ کلوروفل نباتات میں پائے جانے والے اس سبز مادہ کو کہتے ہیں جس کی بدولت نباتات ہرے بھرے نظر آتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کلوروفل پر لفظ 'خَضِرًا' کی دلالت قرآن کا اعجاز ہے، جس کا انکشاف صدیوں بعد ہوسکا ہے۔ 'خَضِرًا' سے کلوروفل مراد لے کر ہی آیت کی بصیرت افروز تاویل ممکن ہے۔ لیکن غور کیا جائے تو عام مترجمین کا ترجمہ ہی زیادہ مبنی بر احتیاط معلوم ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں مشہور ماہر نباتیات (BOTANIST) ڈاکٹر محمد ریاض کرمانی کا یہ ریمارک اہم معلوم ہوتا ہے:

''جدید تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ پودوں میں غذا بننے کا عمل دو (۲) مرحلوں میں ہوتا ہے۔ پہلے مرحلے میں، جس کو نوری ردعمل (LIGHT REACTION) کہتے ہیں، کلوروفل کی اہمیت ہوتی ہے۔ اس مرحلے میں شعاعوں کا انجذاب پانی کے سالمے کی تخریب اور فاسفوگلیسرک ایسڈ کی تخلیق ہوتی ہے۔ بعد کا مرحلہ، جس کو ظلماتی ردعمل (DARK REACTION) کہتے ہیں، بغیر شعاعوں اور کلوروفل کی مدد ہی کے طے ہوتا رہتا ہے، البتہ کلوروفل کا کام یہ ہے کہ نوری ردعمل کے ذریعے خام مواد تیار کرتا رہے، تاکہ اس خام مواد کو غذا بنانے کے مراحل میں استعمال کیا جاتا رہے۔ چنانچہ آیت 'وَھُوَ الَّذِی اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِہٖ نَبَاتَ کُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْہُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْہُ حَبًّا مُّتَرَاکِبًا (آیت/۹۹) میں لفظ خَضِرًا بمعنی کلوروفل لینے کا مطلب یہ ہوا کہ 'حب' یعنی غلہ بننے کا عمل کلوروفل سے ہوتا ہے، جب کہ سائنس کہتی ہے کہ بہ راہ راست کلوروفل سے تو نشاستہ بھی نہیں بنتا،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو 'حب' کے اندر بڑی مقدار میں پایا جاتا ہے، بلکہ صرف فاسفوگلیسرک ایسڈ بنتا ہے۔ کوئی بھی حیاتیاتی عمل اتنا سہل نہیں ہوتا کہ بس کسی ایک مادے سے غذا کی تخلیق کا تصور قائم کرلیا جائے۔ 'حب' بننے کا عمل تو اور بھی پیچیدہ ہے، جس میں پورے پودے کی صلاحیت استعمال ہوتی ہے۔ چنانچہ آج بھی قرآنی لفظ خَضِرًا بمعنی پیڑ پودے لینے ہی میں زیادہ عافیت ہے"۲۳۔

نسائی رجحان

عالمی سطح پر آزادیٔ نسواں کی تحریکات کے نتیجے میں ہر مسئلہ میں عورت کا ذکر ضروری سمجھا جاتا ہے۔ حقوق نسواں کی لے تیز سے تیز تر ہورہی ہے اور عورتوں کو ہر میدان میں اور ہر سطح پر مردوں کے برابر مقام اور حیثیت دیے جانے کی وکالت کی جانے لگی ہے۔ اس کا اثر فہمِ قرآن پر بھی پڑنا تھا۔ چنانچہ نسائی تحریکات سے وابستہ بعض سرگرم خواتین کی طرف سے اب ان خیالات کا برملا اظہار کیا جانے لگا ہے کہ اب تک مردانہ غلبہ والے (MALE DOMINATED) سماج کے زیر اثر قرآن کے ترجمہ وتفسیر کے دوران مردوں کے مطلب کی تعبیرات اختیار کی جاتی رہی ہیں۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ نسائی نقطہ نظر سے قرآن کی تفسیر وتشریح کا کام انجام دیا جائے۔ چنانچہ اس نہج پر کام شروع بھی ہوگیا ہے۔ یہاں اس رجحان کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے:

سورۂ نساء میں ہے:

الرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ (آیت/۳۴)

اس آیت کا ترجمہ مترجمین نے یہ کیا ہے:

شاہ عبدالقادر: مرد حاکم ہیں عورتوں پر

شاہ رفیع الدین: مرد قائم رہنے والے ہیں، یعنی حاکم ہیں عورتوں پر۔

سرسید احمد خاں: مرد تسلط رکھنے والے ہیں عورتوں پر۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا وحید الزماں: مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں: مرد افسر ہیں عورتوں پر۔

مولانا محمد جونا گڑھی: مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانوی: مرد عورتوں پر حاکم و مسلط ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد: مرد عورتوں کے سربراہ اور کارفرما ہیں (پہلا ایڈیشن)

مرد عورتوں کی زندگی کے بندوبست کرنے والے ہیں (دوسرا ایڈیشن)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی: مرد عورتوں پر قوّام ہیں۔

مولانا پیر کرم شاہ ازہری: مرد محافظ و نگراں ہیں عورتوں پر۔

مولانا امین احسن اصلاحی: مرد عورتوں کے سرپرست ہیں۔

ان تراجم پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کس طرح لفظ قَوّٰمُوْن کا ترجمہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ حاکم، مسلّط اور سربراہ سے بدل کر عورتوں کی زندگی کے بندوبست کرنے والے، محافظ و نگراں اور سرپرست ہو گیا۔

اسی آیت میں آگے کا ایک ٹکڑا یہ ہے:

وَالّٰتِی تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ (آیت/۳۴)

اس کا ترجمہ مترجمین نے یہ کیا ہے:

شاہ عبدالقادر: اور مارو ان کو۔

شاہ رفیع الدین: اور مارو ان کو۔

سر سید احمد خاں: اور ان کو مارو۔

مولانا وحید الزماں: اور (اگر اس پر بھی نہ مانیں تو) ان کو مارو۔

مولانا احمد رضا خاں: اور انھیں مارو۔

مولانا محمد جونا گڑھی: اور انھیں مار کی سزا دو۔

مولانا اشرف علی تھانوی: اگر اس پر بھی باز نہ آئیں تو پھر زدوکوب کرو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا ابوالکلام آزاد: اور (اس پر بھی نہ مانیں تو) انھیں (بغیر نقصان پہنچائے بطور تنبیہ کے) مار بھی سکتے ہو۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی: اور مارو۔

مولانا پیر کرم شاہ ازہری: اور (پھر بھی باز نہ آئیں) تو مارو انھیں۔

مولانا امین احسن اصلاحی: اور ان کو سزا دو۔

ان تراجم سے واضح ہے کہ تمام مترجمین لفظ وَاضْرِبُوْهُن کا ترجمہ یہی کرتے رہے کہ اُنھیں (یعنی عورتوں کو) مارو، اور اس کی تشریح وتفسیر میں بیان کرتے رہے کہ مردوں کو خاندان کے سربراہ کی حیثیت سے اپنی سرکش اور نافرمان بیویوں کو بہ طور تادیب وقت ضرورت جسمانی سزا دینے کا اختیار دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ سرسید نے بھی، جو یورپ کی روشن خیالی سے ازحد متاثر تھے، یہی ترجمہ کیا تھا۔ لیکن اب، جب کہ عورتوں کو مردوں کی برابری حاصل ہوگئی ہے تو ان کو مارنے کی بات کیوں کر قابل قبول ہوسکتی ہے۔ بلکہ یہ تعبیر تو دقیانوسیت کی مظہر اور قرونِ مظلمہ کی یاد تازہ کرنے والی ہے، اس لیے اس لفظ کا موجودہ دور سے ہم آہنگ ترجمہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

علی گڑھ سے حال میں ایک ترجمۂ قرآن، جس پر مترجم کا نام درج نہیں ہے، بہ عنوان 'القرآن العظیم' [ناشر: امن پبلیشرز، ۲۰۱۰ء] شائع ہوا ہے۔ اس میں اس آیت کا یہ ترجمہ درج ہے:

> ''اور جن عورتوں کی سرکشی کا تمھیں ڈر ہو تو ان کو نصیحت کرو، اور لیٹنے کی جگہوں میں ان کو تنہا کرو اور ان کو پھٹکارو''

'وَاضْرِبُوْهُنَّ' کا ترجمہ 'ان کو پھٹکارو' کیا گیا ہے جو دیگر مترجمین کے ترجمہ سے قطعاً مختلف ہے۔

خلاصۂ بحث اور تجاویز

۱- قرآن میں غور وتدبر ایک مطلوب اور پسندیدہ عمل ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲- اس کا مقصود طلب ہدایت ہونا چاہیے، نہ کہ علمی موشگافیاں۔

۳- ترجمۂ قرآن کی بہترین صورت یہ ہے کہ ترسیل معنیٰ کو اہمیت دی جائے اور الفاظِ قرآن کی بھی پابندی کی جائے۔

۴- صحیح ترجمۂ قرآن کے لیے ضروری ہے کہ مترجم کو عربی زبان پر بھی عبور ہو اور اس زبان پر بھی جس میں وہ ترجمہ کر رہا ہے۔

۵- ضروری ہے کہ مترجم قرآن کریم کا ترجمہ اپنے رجحانات سے بالا تر ہو کر کرے۔

۶- ترجمہ کو اس حد تک ادبی رنگ دینے سے گریز کیا جائے کہ اس میں غیر سنجیدگی اور ابتذال نمایاں ہو جائے۔

۷- ترجمہ میں خواہ مخواہ سائنسی بیانات کو داخل کرنے سے احتراز کیا جائے۔

حواشی و مراجع

۱۔ محمد حسین الذہبی، الاتجاهات المنحرفة فی تفسیر القرآن، مکتبہ وھبہ، القاهرة، ۱۹۸۶ء، ص ۱۹

ڈاکٹر ذہبی نے اس کتاب میں اختصار سے اور اپنی دوسری کتاب التفسیر والمفسرون میں تفصیل سے منحرف افکار و تصورات پر مبنی گروہوں کی کتبِ تفسیر کا جائزہ لیا ہے اور بہت سی مثالیں پیش کی ہیں۔

۲۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تیار کردہ فہرست میں ایک سو بیس (۱۲۰) زبانوں کا تذکرہ ہے، جن میں قرآن کا ترجمہ ہوا۔ انھوں نے ترجمہ کے نمونے بھی پیش کیے ہیں، طبع استنبول، ترکی، جب کہ احمد خان نے اپنی کتابیات: قرآن حکیم کے اردو تراجم میں ایک ہزار سے زائد مکمل اور جزئی اردو تراجم کا تذکرہ کیا ہے۔

۳۔ محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، مکتبہ وھبہ، القاہرۃ، ۲۰۰۰ء، ۱/۲۳-۲۴، محمد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حسین مخلوف العدوی، المدخل المنیر، مطبعۃ المعاہد، ۱۳۵۱ھ، ص ۴۱، محمد ابوسلامۃ، منہج الفرقان، مطبعۃ شبرا، ۱۹۳۸ء، ۲/ ۷۱۔۹۰

۴۔ محمد سعود عالم قاسمی، ترجمۂ قرآن کے اسالیب اور مشکلات، ششماہی علوم القرآن، (علی گڑھ)، ۱۸/۲، جولائی - دسمبر ۲۰۰۳ء، ص ۴۳

۵۔ سرسید کے اس تفسیری اصول کے جائزہ کے لیے ملاحظہ کیجئے: پروفیسر فضل الرحمٰن گنوری، سرسید کی تفسیر کا بنیادی اصول: نیچر اور لاآف نیچر، سہ ماہی تحقیقات اسلامی (علی گڑھ)، ۹/۳، (جولائی۔ستمبر ۱۹۹۰ء) ص ۵۷۔۷۰

۶۔ سرسید کے ان خیالات کے لیے ملاحظہ کیجئے: مولانا محمد اسماعیل پانی پتی (مرتب)، مقالات سرسید، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۸۴ء، ص ۲۰۶، سرسید احمد خان، تحریر فی اصول التفسیر، مشمولہ تفسیر القرآن وہو الہدیٰ والفرقان، خدا بخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ، (ب ت) ۱/ ۵

۷۔ محمد عثمان مقبول (مرتب) مکاتبات الخلان فی اصول التفسیر وعلوم القرآن [تفسیری مسائل پر سرسید اور محسن الملک کے مراسلات کا مجموعہ]، مطبع احمدی، علی گڑھ، ۱۹۱۵ء، ص ۴۷

۸۔ تفسیر القرآن (تفسیر سرسید)، محولہ بالا، ۱/ ۷۸

۹۔ تفسیر القرآن (تفسیر سرسید)، محولہ بالا، ۱/ ۷۷

۱۰۔ تفسیر القرآن (تفسیر سرسید)، محولہ بالا، ۱/ ۶۲۔۶۵، ۷۲۔۷۳

۱۱۔ عقلی رجحان پر مبنی تفسیر نگاری کے جائزہ کے لیے ملاحظہ کیجیے: محمد طارق غوری، برصغیر میں عقلی تعبیر پسندی پر مبنی مذہبی تفکر، مجلّہ پشاور اسلامیکس، جنوری۔ جون ۲۰۱۰ء

۱۲۔ عبداللہ چکڑالوی، تفسیر القرآن بالقرآن، ادارہ بلاغ القرآن، لاہور، (ب ت) ص ۱۳۶

۱۳۔ غلام احمد پرویز، برق طور، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۲۵۳۔۲۵۴

۱۴۔ سید علی نقی نقوی، تفسیر قرآن، غلام محمد بٹ، ثمر بک، کشمیر، ۱۹۸۳ء، ۲/ ۱۷۸

۱۵۔ مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی، تفسیر بر ترجمہ قرآن کنز الایمان از مولانا احمد رضا خان، فرید بک ڈپو، (ب ت)، دہلی، ص ۱۹۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۶ پیر کرم شاہ، ضیاء القرآن، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، (ب ت)، دہلی، ج ۱/ ۵۵۸

۱۷ ملاحظہ کیجیے: کنزالایمان، حوالہ سابق، الاعراف: ۱۵۷، ۱۵۸، الانفال: ۶۴، ۶۵، ۷۰، التوبۃ: ۶۱، ۷۳، ۱۱۷، مریم: ۳۰، ۴۱، ۴۹، ۵۱، ۵۳، ۵۴، ۵۶، ۵۸، الاحزاب: ۱، ۲۸، ۴۵، ۵۰، ۵۶، الصافات: ۱۱۲، الزخرف: ۶، ۷، الحجرات: ۲، التحریم: ۱، ۹ کے ترجمے

۱۸ علم غیب کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کے سلسلے میں مولانا احمد رضا خاں کے افکار میں اور ان کے مفسر مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی کے افکار میں تضاد کا احساس ہوتا ہے۔ اس لیے کہ خود ان کے بہت سے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو کلی علم غیب حاصل نہیں تھا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: شہاب الدین ایم اختر، علم الغیب کی حقیقت بہ حوالہ کنزالایمان، معبودی پبلیکیشن، نئی دہلی، ۲۰۱۱ء

۱۹ ڈپٹی نذیر احمد، ترجمہ و تفسیر غرائب القرآن، دہلی،

۲۰ ڈاکٹر محمود حسن الہ آبادی، ترجمہ و تفسیر غرائب القرآن از ڈپٹی نذیر احمد، سہ ماہی تحقیقات اسلامی، ۹/ ۲، اپریل - جون ۱۹۹۰، ص ۵۷-۵۸

۲۱ محمد سعود عالم قاسمی، محولہ بالا، ص ۴۴

۲۲ مولانا محمد شہاب الدین ندوی، قرآن حکیم اور عالم نباتات، فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ، بنگلور، ۱۹۹۰ء ص ۱۹۳

۲۳ محمد ریاض کرمانی، تبصرہ بر قرآن حکیم اور علم نباتات از مولانا شہاب الدین ندوی، سہ اشاعتی آیات (علی گڑھ)، ۲/ ۳، ستمبر - دسمبر ۱۹۹۱ء، ص ۱۵۰

☆☆☆

© rasailojaraid.com